کچھ سنا آپ نے

مائل خیرآبادی

انوکھے پھول پھل اور پتّے ۳

اڑنے والے جانور ۱۸

جنگلی ہاتھیوں کو پکڑنا ۲۴

انوکھے پھول اور پتّے

ہمارے گھر کے پیچھے ایک کھنڈر ہے۔ یہ کھنڈر پہلے خاں صاحب کا تھا۔ ابّا جان نے اسے خرید لیا۔ کھنڈر اتنا لمبا چوڑا ہے کہ اس میں دو بڑے بڑے مکان بن سکتے ہیں۔ جب یہ کھنڈر خاں صاحب کے پاس تھا تو اس کی زمین آس پاس کے گھروں کی زمین سے نیچی تھی۔ برسات کا پانی اس میں بھر جاتا تھا۔ پانی بھر جانے سے پاس کے گھروں کی زمین کو نقصان پہنچتا تھا۔ ہمارا گھر کچّا بنا ہے۔ سب سے زیادہ ہمارے گھر کے پیچھے کی دیوار کو نقصان پہنچتا۔ ابّا جان ہر سال پشتہ باندھ دیتے لیکن برسات میں پشتہ برابر ہو جاتا۔ ایک بار دیوار گر بھی گئی۔ ابّا جان اور دوسرے گھروں کے لوگ خاں صاحب سے کہتے کہ بھائی کھنڈر سے ایک گہری نالی کھود دیجئے اور اسے سڑک والے نالے سے ملا دیجئے۔ اگر آپ یہ مہربانی کریں تو پانی کھنڈر میں نہ رُکے اور ہماری دیواروں کو نقصان نہ پہنچے۔ خاں صاحب یہ سنتے لیکن کچھ پروا نہ کرتے۔ آخر ابّا جان نے ان سے کہا کہ بھئی بیچ ڈالو زمین۔ خاں صاحب اس پر راضی ہو گئے اور ابّا جان نے وہ کھنڈر خرید لیا۔ کھنڈر خرید کر ایک لمبی اور گہری نالی سڑک تک کُھدوا دی۔ اب کھنڈر میں پانی نہیں رُکتا۔ ہمارے گھر کی دیوار بھی اب نہیں

گرتی اور دوسرے مکانوں کی دیواریں بھی برساتی پانی سے بچی رہتی ہیں۔ کھنڈر کے آس پاس کے لوگ ہر سال برسات میں ابّا جان کو بڑی دعائیں دیتے ہیں۔

کھنڈر ہمارے قبضے میں آیا تو ہمارے کھیل کے لئے مزے کی جگہ نکل آئی۔ ہمارے بھائی جان کو ہوم ورک کے لئے گھر میں جگہ نہیں تھی، وہ مسجد میں جا کر وہ سارا کام کرتے تھے، جو اسکول میں دیا جاتا تھا۔ اب بھائی جان نے کھنڈر کے بیچوں بیچ دس فیٹ مُربّع یعنی دس فیٹ لمبا اور دس ہی فیٹ چوڑا ایک چبوترہ بنایا۔ چبوترے کے کونوں پر سات سات فیٹ لمبی موٹی لکڑیاں گاڑ دیں۔ ان لکڑیوں پر بانس بچھا کر کیلیں جڑ دیئے اور پھر خود ہی کھپریل لا کر چھالی۔ اس کے بعد اپنی میز اور کرسی اس کھپریل میں لے گئے اور اب اس شان سے ہوم ورک کرتے ہیں کہ کھانے پینے کا ہوش بھی نہیں رہتا۔ جب ہم بلانے جاتے ہیں تب بھائی جان وہاں سے اٹھتے ہیں۔ بھائی جان اس کھپریل والے چبوترے کو اپنا بنگلہ کہا کرتے۔

بھائی جان نے تو یہ کیا۔ ہم نے بھائی جان کے بنگلے کے آس پاس اپنے دوڑنے کے لئے روش بنائی۔ اس روش کے آس پاس پھولوں اور پھلوں والے پودے لگائے۔ بھائی جان نے بھی مدد دی۔ بھائی جان نے مدد اس لئے دی کہ ان کا بنگلہ اس چمن کے بیچ میں آجائے گا۔ اس سال

برسات آئی تو سچ مچ وہی کھنڈر جو خاں صاحب کے زمانے میں سڑے ہوئے پانی، گندگی، طرح طرح کے کیڑے مکوڑوں اور مچھروں کا گھر تھا، اچھا خاص چمن بن گیا، اب اس میں گلاب، چنبیلی، جوہی، رات کی رانی، امرود، پپیتے، آڑو اور اسی طرح کے دوسرے پھولوں اور پھلوں کا چمن نظر آتا ہے۔ ہم سب بھی خوش۔ پاس پڑوس کے لوگ بھی خوش۔ اور بھئی خوش کیوں نہ ہوں، رات کو جب اس چمن سے پھولوں کی خوش بُو پھیلتی ہے تو آس پاس کے گھر خوش بوؤں سے بس جاتے ہیں۔ پہلے ان گھروں میں طرح طرح کی بیماریاں گھسی رہتی تھیں، اب آب و ہوا صاف اور خوش بُو دار ہو جانے سے بیماریوں کا نام تک نہیں۔ جب بھائی جان اسکول چلے جاتے ہیں تو ہم اور ہمارے پاس پڑوس کے لڑکے اسی چمن کی روشوں پر طرح طرح کے کھیل کھیلتے ہیں۔ بڑا مزہ آتا ہے۔ پھر یہیں اپنے بنگلے میں بھائی جان کبھی کبھی ہمیں بلا کر بٹھاتے ہیں، پاس پڑوس کے بچوں کو بلاتے ہیں اور کہانیاں بھی سناتے ہیں۔ کہانیاں سننے کے شوق میں ہم بھائی جان کے چھوٹے چھوٹے کام کر دیتے ہیں۔ چمن اور بنگلے کی صفائی کرتے ہیں۔ بھائی جان کے لئے پینے کا پانی لا کر رکھ دیتے تھے۔

بھائی جان گیارہواں درجہ پاس کر کے کلکتہ چلے گئے۔ وہ کلکتہ گئے تو ہمیں ایک فائدہ اور ایک نقصان ہوا۔ فائدہ یہ ہوا کہ اب ان کا بنگلہ

ہمارے قبضے میں آ گیا اور نقصان یہ ہوا کہ اب ہمیں کہانیاں سنانے والا کوئی نہ رہا۔ ہم نے اس نقصان کو اس طرح پورا کیا کہ آپس میں مل بیٹھتے اور وہی کہانیاں دہراتے جو بھائی جان سے سن چکے تھے۔ اس طرح ہم نے کئی مہینے کاٹے۔ عید کی چھٹیوں میں بھائی جان گھر آئے تو ہمارے چمن میں بونے کے لئے طرح طرح کے نئے بیج اور پودے لائے اور ان کو بو دیا اس کے بعد ایک دن کہنے لگے۔ پاس پڑوس کے بچوں کو اکٹھا کرو تو پھولوں، پھلوں اور پتّوں کے بارے میں ایسی باتیں بتاؤں کہ تم سب دنگ رہ جاؤ اور یہ سوچنے لگو کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی کیسی چیزیں دنیا میں پیدا فرمائی ہیں۔

یہ سن کر ہم سوچنے لگے کہ بھئی ''ونگ'' کس طرح رہ جاتے ہیں۔ ہم نے ساتھیوں کو بلاوا دے دیا۔ مغرب کے بعد سب اکٹھا ہو گئے۔ بھائی جان بیٹھے اور پھر اس طرح باتیں شروع ہوئیں۔

سب سے پہلے بھائی جان نے ایک سوال کیا۔ پوچھا ''یہ بتاؤ کہ بڑے سے بڑا کون سا پتّہ تم نے دیکھا ہے؟'' ہمارے لئے اس سوال کا جواب بہت آسان تھا۔ ہم نے جھٹ بتا دیا کہ سب سے بڑا پتّہ کیلے کا ہوتا ہے۔

''اور اس کی لمبائی چوڑائی کتنی ہوتی ہے؟'' بھائی جان نے دوسرا سوال کیا۔

''لمبائی؟'' لمبائی تو بھائی جان اتنی ہوتی ہے۔ کہ اگر یہاں کھڑا کریں تو آپ کے بنگلے کی چھت سے لگ جائے۔'' میں نے یہ کہا تو سب بھائی جان کے بنگلے (ارے بھئی، کھپریل والے چبوترے) کو نیچے سے اوپر تک دیکھنے لگے۔ بات بالکل ٹھیک تھی۔ بھائی جان نے بتایا کہ میرے اس بنگلے کی اونچائی ۱۳ فیٹ ہے۔ اچھا اور چوڑائی؟''

شوکت نے جواب دیا کہ ''چوڑائی تو بس یہی فیٹ ڈیڑھ فیٹ ہوتی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' کہتے ہوئے بھائی جان نے اپنی البم نکالی اور ایک لمبے پتّے کی تصویر دکھائی پھر کہنے لگے۔ ''یہ دیکھو، یہ بھی ایک پتّے کی تصویر ہے۔ یہ پتّہ ۶۵ فیٹ تک لمبا ہوتا ہے۔''

''۶۵ فیٹ؟'' ہم سب دانتوں تلے انگلی دبا کر رہ گئے۔ ''یا اللہ! ۶۵ فیٹ لمبا پتّا!'' حمید بھائی ۱۳ کا پہاڑہ پڑھنے لگے ۱۳- اکن تیرہ...... تیرہ پنجے ۶۵۔'' اُف فوہ! بھائی جان! آپ کے بنگلے سے پانچ گنا اونچا۔''

اور بھائی جان! سنئے تو (سعید میاں کہنے لگے) اور یہ نیم کے درخت پر ایک نظر ڈالی پھر بولے ''ہاں یہ نیم ۶۵ فیٹ سے یا تو کچھ کم یا کچھ بڑا ہوگا۔ ہے بھی تو بڑا پُرانا نیم۔''

''تو اتنا بڑا پتّا ہوتا ہے بھائی جان!'' ہم سب تعجب کے ساتھ

بھائی جان کو دیکھنے لگے۔

''اُس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ جس اللہ نے چیونٹی پیدا کی ہے، اُسی نے ہاتھی بنایا تو پھر اللہ تعالیٰ جو چیز جتنی بڑی چاہتا ہے، بنا دیتا ہے۔ نیم کی پتّی اتنی سی، کیلے کا پتّا اتنا بڑا اور جس پتّے کی تصویر دکھا رہا ہوں وہ ۶۵ فیٹ لمبا۔''

''ہاں ٹھیک ہے (صفو باجی کہنے لگیں) اللہ تو سب کچھ کرسکتا ہے۔ اچھا یہ بتایئے بھائی جان! اس پتّے کا نام کیا ہے اور یہ کہاں ہوتا ہے؟''

صفو باجی نے یہ پوچھا تو ہم سب نے بھائی جان کی طرف کان لگا دیئے۔ بھائی جان نے بتایا کہ:

''جس پیڑ کا یہ پتّا ہے، وہ امریکہ میں آمیزن ندی کے کنارے پایا جاتا ہے اور ایک جزیرہ ہے۔ ''میسکارین'' وہاں بھی اس کا درخت ہوتا ہے۔ امریکہ والوں نے اس پیڑ کے پتّے کا نام بمبو پام -- اور میسکارین والوں نے ''روفیا پام'' رکھا ہے۔''

اب سنئے رفو آپا کا مذاق۔ ابھی تک تو وہ چپ بیٹھی سُن رہی تھیں، یہ نام سنے تو بولیں کہ اگر ہمارے ملک میں یہ درخت بویا جائے تو اس کا نام ''لمبو پام'' رکھا جائے گا۔

''ہی ہی ہی'' ہم سب ایک ساتھ ہنسنے لگے۔ بھائی جان بھی

ہنسے۔اس کے بعد کہا کہ رفو کہتی تو ٹھیک ہے۔

''یہ کیا ہے بھائی جان؟'' ہم سب نے ایک ساتھ پوچھا۔ بھائی جان نے بتایا کہ یہ بھی ایک پتّہ ہے۔ یہ جنوبی امریکہ کی ندیوں میں پایا جاتا ہے۔اس کا درخت نہیں ہوتا۔ جیسے ہمارے یہاں کمبھی اور کوکا بیلی کی بیلیں ہوتی ہیں۔ندیوں میں اس پتّے کی بیلیں ہوتی ہیں جیسے ہمارے یہاں کمبھی سارے سارے تالاب پر چھا جاتی ہے، اسی طرح اس پتّے کی بیلیں بھی میلوں تک پھیلتی چلی جاتی ہیں اور اس کے پتّے پانی پر تیرتے رہتے ہیں۔ ذرا دیکھو اُسے غور سے۔''

بھائی جان نے پتّے کی تصویر دکھاتے ہوئے کہا کہ اس کی چوڑائی کم سے کم چار فیٹ اور زیادہ سے زیادہ بارہ فیٹ ہوتی ہے۔تصویر میں یہ جو کنارے کنارے موٹا موٹا دیکھتے ہو، یہ اس پتّے کی گگریں ہیں۔''

''تو کیا یہ پتّا تھالی کی طرح ہوتا ہے؟''صفو باجی نے پوچھا۔

''بالکل ٹھیک کہا تم نے صفو! تھالی کی طرح تو یہ ہوتا ہی ہے۔اس پتّے کی گگر چار پانچ اُنگل تک اونچی ہوتی ہے۔پتّے کا رنگ اوپر گہرا ہرا اور نیچے لال ہوتا ہے۔گگروں کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔جو بڑا خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔

اچھا ذرا دھیان سے دیکھو۔ یہ جو نسیں دکھائی دے رہی ہیں نا! یہ سب ٹھیک بیچوں بیچ سے نکلی ہیں۔تم سب دیکھتے ہونا! تو بیچ میں پتّے کے

نیچے ڈنٹھل ہوتا ہے۔ اسی ڈنٹھل سے یہ ساری نسیں نکلی ہیں۔ یہ نسیں پتّے کو مضبوط رکھتی ہیں۔ دیکھو تو اللہ کی قدرت۔"

"بے شک، بے شک۔"

"اور یہی نسیں پتّے کو اوپر اٹھائے رکھتی ہیں۔ ان نسوں سے پتلی پتلی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ یہ جو تصویر میں ایک جال سا معلوم ہوتا ہے یہ انہیں شاخوں کا ہے۔ ڈنٹھل اور نسیں کھوکھلی ہوتی ہیں ان میں ہوا بھری ہوتی ہے۔" .... "ارے واہ!"

"ہوا کے بھرنے سے ہی یہ پتّا پانی میں تیرتا رہتا ہے۔"

"آہا! کیا خدا کی قدرت ہے۔"

"اور تو سنو، پتّے کے نیچے بہت سے چھوٹے چھوٹے کانٹے ہوتے ہیں۔ ان کانٹوں کی وجہ سے مچھلیاں اس پتّے کو کھا نہیں سکتیں۔"

"کہو، کیا خوب ہے خدا کی قدرت!"

"عجب اس کی قدرت عجب اس کی شان۔"

"اور ہاں بھائی جان! آپ نے اس پتّے کا نام تو بتایا نہیں۔"

"نام بھی سن لو۔ اس کا نام ہے "وکٹوریہ ریجیا۔"

"کیا مطلب؟"

تم سب یوں سمجھو، جیسے یہاں ہم نے نام رکھے ہیں نا! رات

رانی، اسی طرح اگر یہ پتّے ہمارے ملک میں ہوتے تو شاید اس کا نام "پتّوں کا راجہ" رکھا جاتا۔ یہ نام اس لئے رکھا جاتا کہ اس کا پتّا خوبصورت بھی ہوتا ہے اور بڑا مضبوط بھی۔ یہ اتنا مضبوط بھی ہوتا ہے کہ اگر ہمارے منّے بھیّا کو اس میں لٹا دیا جائے تو پتّا نہ ڈوبے گا اور نہ ٹوٹے گا اور نہ ہمارا منّا بھیّا بھیگے گا۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ندی کے گھونگھے اور پانی کے کیڑے مکوڑے ہوا کھانے یا اپنی خوراک تلاش کرنے کے لئے پتّوں پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ بگلے انھیں چٹ کر جاتے ہیں۔ بگلے ان پر چلا پھرا کرتے ہیں۔

اچھا اور سنو، دیکھو، میں نے اسے "پتّوں کا راجہ کہا ہے تو اس کے پھول کے بارے میں بھی سن لو۔ اس کا پھول کنول" کی طرح ہوتا ہے۔ جب پھول کھلتا ہے تو بڑی تیز مہک نکلتی ہے۔ پھول کا پھیلاوَ ایک بالشت سے دو بالشت تک ہوتا ہے۔ اس کی پنکھڑ دُودھیا رنگ کی ہوتی ہیں، جن کے بیچ کا حصہ گلابی رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ گلابی رنگ بڑھتا اور پھیلتا جاتا، اور دھیرے دھیرے سارا پھول گلابی ہو جاتا ہے اور نہایت خوب صورت دکھائی دیتا ہے لیکن اس کے پھول کی عمر دو دن ہی کی ہوتی ہے۔ دو دن کھلا رہ کر پھول پانی میں ڈوب جاتا ہے۔"

''ارے!'' ہم سب کی زبان سے ایک ساتھ نکلا اور یوسف نے یہ مصرع پڑھا۔ ؎

''پھول تو دو دن بہار زندگی دکھلا گئے''

بھائی جان مسکرائے پھر بتانے لگے کہ:

''پھول کے ڈوب جانے کے بعد اس کے بیج بکھر جاتے ہیں۔ اِدھر اُدھر پانی میں بہہ جاتے ہیں۔ پھر ان بیجوں سے انکھوا نکلتا ہے۔ انکھوا پھوٹنے میں تین مہینے لگتے ہیں دھیرے دھیرے یہی انکھوے نئی بیل ہو جاتے ہیں۔ لوگ ان بیجوں کی تلاش میں رہتے ہیں، ندیوں سے نکال لیتے ہیں اور بھون کر کھاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ہم جوار بھون کر کھاتے ہیں۔''

''بھائی جان! یہ ساری باتیں آپ کو کیسے معلوم ہوئیں؟''

''معلوم ہونے کی ایک ہی کہی۔ وکٹوریہ ریجیا کو کلکتہ میں لایا گیا ہے اور جھیل میں لگایا گیا ہے۔ ہاوڑہ کی جھیلوں میں بھی اس کی بیلیں ڈالی گئی ہیں اور کئی جگہ بھیجے گئے ہیں جولائی سے دسمبر تک کسی مہینے میں کلکتہ آؤ تو ان پھولوں کی بہار دکھاؤں۔''

''اچھا بھائی جان! اب جب آپ چلیں تو سب کو لیتے چلیں۔''

یہ رفّو آپا نے کہا اور ہم سب بھی بھائی جان کے سر ہو گئے لیکن بھائی

جان نے بات ٹالی۔ بولے ”بڑے، لمبے چوڑے پتّوں کے بارے میں تم نے جان لیا۔ اب سنو سب سے بڑے پھول کا حال......“

بھائی جان نے یہ کہتے کہتے البم کا ایک اور ورق الٹ دیا۔

”اور یہ دیکھو، یہ ہے دنیا کا سب سے بڑا پھول!“ اب بھائی جان اِس طرح بول رہے تھے جیسے ہماری خالدہ باجی نوری بچوں کے پسندیدہ اشعار پیش کرتے ہوئے کہتی ہیں ”اور دیکھے ہیں فلاں نوری، ان کا پسند کیا ہوا شعر سنئے۔“ تو بھائی جان بالکل اسی طرح کہہ رہے تھے۔ ”اس کا نام انگریزی میں تو بڑا لمبا ہے۔ اردو میں اس کا نام میں نے خود رکھا ہے۔ میں نے اس کا نام رکھا ہے ”سڑوندھا۔“ سڑوندھا، نام میں نے اس لئے رکھا ہے کہ اس پھول سے سڑے ہوئے گوشت کی بدبو آتی ہے۔ جس طرح سڑے ہوئے گوشت پر مکھیاں بھنبھناتی رہتی ہیں، اسی طرح اس پھول پر بھی مکھیاں بھنبھناتی رہتی ہیں۔

”اور ہاں یہ سماترا میں ہوتا ہے۔ سماترا ہمارے ملک ہندوستان کے دکھن پورب میں ہے۔ اس پھول کے پیڑ میں نہ تو پتّیاں ہوتی ہیں، نہ شاخیں اور نہ جڑ ہی، اس کا درخت جنگلی بیلوں کی جڑ سے آپ سے آپ پھوٹتا ہے اور انھیں کا رس چوستا ہے۔ اس کی کلی بند گوبھی کی طرح ہوتی ہے دھیرے دھیرے ایک مہینے میں پورا پھول بنتا ہے۔ پھول

بن کر دو دن کے اندر ہی مرجھا جاتا ہے۔''

''اور بھائی جان......'' صمد نے بھائی جان کی بات کاٹی۔ ''سنئے تو، آپ نے یہ تو بتا دیا کہ یہ پھول یعنی سڑ وندھا دنیا کا سب سے بڑا پھول ہے۔ یہ تو بتائیے کہ کتنا بڑا ہوتا ہے۔''

''اچھا ہاں، سنو، یہ پھول گول ہوتا ہے۔ اس کی چوڑائی ایک گز اور وزن ۷ ½ سیر ہوتا ہے...... بیچ میں پیالہ کی طرح شکل معلوم ہوتی ہے۔ یہ پیالہ ایک فٹ چوڑا ہوتا ہے اور اس میں اتنا پانی اکٹھا ہو جاتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک اٹھا سکتا ہے۔ یوں سمجھو، چھوٹی بالٹی بھر۔ پٹرول کا ڈبہ دیکھا ہے نا! بس (۱ ½ ڈیڑھ ڈبہ بھر (۱ ½ گلین)

اس پیالے کے آس پاس پانچ پنکھڑیاں ہوتی ہیں...... ایک ایک فٹ لمبی۔ موٹے چمڑے جیسی، ان کا رنگ زرد سرخی لئے ہوئے ہوتا ہے۔ اس پر اُودے رنگ کی بُندکیاں ہوتی ہیں۔ ان کے پتلے سرے ایک انگل سے کم ہوتے اور موٹے حصّے ایک اُنگل سے زیادہ موتے ہیں۔''

اور یہ کہتے کہتے بھائی جان نے البم کا ایک ورق پھر الٹ دیا اور ہم سب کی زبان سے نکلا۔

''ارے یہ گملے میں لاؤڈ اسپیکر کے اندر کیا نکلا ہوا ہے؟''

بھائی جان یہ سن کر ہنسے۔ کہنے لگے۔

''ارے بھئی، یہ بھی ایک پھول ہے۔ یہ بھی سماترا میں پایا جاتا ہے۔ اس کا نام میں نے لمبا سڑ وندھا رکھا ہے۔ لمبا سڑ وندھا سماترا کے لمبے پھولوں میں سب سے لمبا پھول ہے۔ انگریزی میں اس کا نام ''جائنٹ آرائڈ'' ہے۔ اس میں سے بھی بڑی ہی بدبو نکلتی ہے۔ یہ جو تصویر میں تم لاؤڈ اسپیکر دیکھ رہے ہو۔ یہ اس پھول کا غلاف ہے۔ اس لئے یہ لمبا پھول نکلتا ہے۔ اس کا ڈنٹھل دو فیٹ موٹا اور پھول ۵ فیٹ اونچا ہوتا ہے۔ بالی کی طرح سمجھے!...... یہ پھول ایک دن میں ہی مرجھا جاتا ہے۔

''اور یہ دیکھو، ہے دنیا کا سب سے بڑا پھل'' کہتے ہوئے بھائی جان نے پھر ورق اُلٹ دیا۔ اگلی تصویر دیکھ کر ہم سب حیران رہ گئے۔ یا اللہ یہ کیسا پھل ہے؟''

''سنو میں بتاتا ہوں'' بھائی جان بولے ''یہ جو نیچے کا حصہ انناس کی طرح دکھائی دے رہا ہے، بس اسی سے یہ نکلتا ہے یہ بھی پھول ہے۔ اور دنیا کا سب سے بڑا پھول۔ اس کا تنا ۹ فیٹ چوڑا ہوتا ہے۔ اس کے درخت میں ۱۵۰ سال کی عمر میں تو پھول آتا ہے۔ یہ دیکھو، انناس کے اوپر پھل ہے۔ جھبڑا جھبڑا سا۔ اس کا سب سے چھوٹا پھل بیس فیٹ اونچا اور بڑے سے بڑا ۳۵ فیٹ اونچا ہوتا ہے۔ سچ پوچھو تو

یہ پھول آٹھ ہزار پھولوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ، تم نے اس پھول جیسی کوئی چیز دیکھی ہے؟"

بھائی جان نے اچانک سوال کر دیا۔ ہم سب چپ تھے رفّو آپا بولیں "دیکھا کیوں نہیں، یہ تو کیوڑے کی بالی کی طرح ہے۔"

"شاباش رفّو! بھائی جان نے شاباشی دیتے ہوئے کہا "میں نے اس کا نام "کیوڑے کا دادا" رکھا ہے۔ ویسے انگریزی میں اس کا نام "جائنٹ پویا" ہے۔ عجیب بات ہے پھول آنے کے بعد ۱۵۰ برس کا پودا سوکھ جاتا ہے۔

اور دیکھو، ہے تو دنیا کا سب سے بڑا پھل۔ البم کا ایک ورق اور اُلٹا گیا۔ ہم نے پہچان لیا "یہ تو کدّو ہے۔" ہم سب نے کہا۔

"مگر سنو تو، ہمارے یہاں کدّو زیادہ سے زیادہ دس پندرہ سیر کا ہوتا ہے۔ یہ تصویر جس کدّو کی ہے وہ نیو یارک (امریکہ) میں ہوتا ہے۔ اس کا وزن سوا من یعنی پچاس سیر ہے۔ اس کا گھیرا، ۶½ فیٹ کا ہے اور لو۔"

بھائی جان نے پھر ایک ورق اُلٹ دیا۔ "یہ ہے انگلینڈ کا کدّو، اس کا وزن قریب قریب دو من ہے۔ اس کا گھیرا ۷ فیٹ ہے اور لو، ادھر دیکھو۔" پھر ورق اُلٹ کر دکھایا "یہ ہے سب سے بڑا کدّو۔" یہ

پورا تین من کا ہے۔ اس کا گھیرا، ۹ فیٹ ۱۳/۱ انچ کا ہے۔ دنیا کی پھلوں کی نمائش میں کوئی اوّل انعام ملا۔

اب لو، یہ ہے میرے البم کا آخری صفحہ یہ جو تصویر میں تم ناریل جیسی شکل دیکھ رہے ہو، یہ دنیا کا سب سے بڑا بیج ہے۔ اس سے بڑا بیج نہیں ہوتا۔ یہ ایک فیٹ چوڑا اور ½۱ فیٹ لمبا اور ۲۰ سیر وزن کا ہے۔ یہ بحر ہند کے مڈغاسکر کے جزیروں میں ہوتا ہے۔ اسے سمندری ناریل کہتے ہیں اس کا درخت دس برس میں پورا ہو جاتا ہے۔ جب یہ ٹپکتا ہے تو زمین میں چھ مہینے یوں ہی پڑا رہتا ہے پھر اس میں انکھوا پھوٹتا ہے۔ سال بھر میں پودا نکل آتا ہے۔ ہر نویں مہینے ایک نئی کونپل نکلتی ہے۔ اس کے درخت کی عمر سو سال سے زیادہ ہوتی ہے۔ تیس سال کی عمر میں اس کے درخت پھول دینا شروع کر دیتے ہیں اور سو سال کے بعد پھل۔ کہو کیسی رہی ہماری البم۔''

بھائی جان نے البم بند کر دی اور ہم سب سوچنے لگے۔ سچ مچ اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے انوکھے نرالے پھول، پھل اور پتّے پیدا کئے ہیں۔

ہم نے بھائی جان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ کی کہانیوں سے زیادہ ہمیں آپ کی اس البم میں مزہ آیا۔

اس کے بعد ہم سب اٹھ گئے۔

☆☆☆

اُڑنے والے جانور

''ہاں بھائی جان! اس بار کیا عجوبہ لائے آپ؟''شمّو باجی نے بھائی جان سے کہا اور ہم سب ہی ہی ہی کر کے ہنسنے لگے۔ ہم جانتے تھے کہ بھائی جان ہمارے لئے کوئی نہ کوئی انوکھی نرالی چیز ضرور لائے ہیں۔ اسی کو تو شمّو باجی نے عجوبہ کہا، تو سچ مچ ہم سب ہنسے۔ ہم سب اس طرح ہنسے تو پمّی نے چچا میاں کا ایک شعر پڑھا:

یوں ہنسنا ہے سخت بُرا   ہی ہی ہی ہی ہی ہی

''اچھا بھائی! لو، نہیں ہنستے۔ ہم سب نے اپنے اپنے منھ پر ہاتھ رکھ لیا۔ ہنسی کو روکا اور بھائی جان کی طرف دیکھنے لگے۔ بھائی جان اپنے بکس سے ''عجوبہ'' نکال رہے تھے، لیکن یہ کیا؟ انھوں نے تو ایک لپٹا ہوا کاغذ نکالا۔ ہم سب سمجھے، شاید اس سال کا کیلنڈر ہے، لیکن اُسے کھولا تو ہم سب خوشی کے مارے اچھل پڑے ہم سب کی زبان سے نکلا ''اڑنے والے جانور۔''

''واہ بھئی وا! ایسے بھی جانور ہوتے ہیں جو اُڑتے ہیں'' سمشی نے تعجب کے ساتھ کہا اور بھائی جان نے جواب دیا ''ہوتے تو ہیں، یہ انھی جانوروں کی تصویریں ہیں۔

ہم نے تصویروں پر نظریں جمادیں۔ چمگادڑ کے بارے میں تو ہم جانتے ہیں کہ وہ اُڑتا ہے۔ لیکن اڑنے والی مچھلی، اُڑنے والا مینڈک، اُڑنے والی لومڑی، اُڑنے والی گلہری اور اڑنے والا گرگٹ نہ دیکھے تھے نہ سنے تھے۔ ہمیں تعجب تو ہوا لیکن ہم کو یقین ہے کہ بھائی جان جھوٹ نہیں بولتے، تو بھائی ایسے جانور بھی ہوتے ہوں گے۔ ہم نے دل ہی دل میں کہا، اللہ نے نہ جانے کیسی کیسی چیزیں دنیا میں پیدا کی ہیں، یہ سب اس کی قدرت کی کاری گری ہے۔

''اچھا بھائی! یہ دیکھو......'' بھائی جان ان جانوروں کے بارے میں بتانے لگے۔ ہاں، تو دیکھو، یہ چمگادڑ ہے۔ چمگادڑ کے بارے میں تم جانتے ہی ہو کہ اس کے چار پیر ہوتے ہیں اور دو پر بھی۔ اس طرح یہ چوپایہ بھی ہے اور چڑیا بھی ہے اور اس کے بارے میں میں نے بچپن میں ایک مزے دار کہانی پڑھی تھی۔''

''کہانی!'' پمّی کا چہرہ چمک اٹھا۔ اُسے کبھی ان معلوماتی باتوں میں مزہ نہ آیا۔ ہاں، جب کہانی کا نام آیا تو خوب دل لگا کر کہانی سنی ''تو بھائی جان! کہانی سنائیے۔''

سچ پوچھئے تو کہانی کسے اچھی نہیں لگتی۔ ہم بھی پسند کرتے ہیں تو بھائی ہم بھی کان لگا کر سننے لگے۔ بھائی جان کہہ رہے تھے۔

''ایک بار چوپایوں اور چڑیوں میں لڑائی چھڑ گئی۔ لڑائی بہت دنوں تک ہوتی رہی۔ کبھی جانوروں کا پلّہ بھاری رہتا کبھی چڑیوں کا، ہار جیت کا فیصلہ نہیں ہو پاتا تھا۔ ہاں لڑائی میں نقصان بہت ہوا تھا۔ ایک بھاری نقصان یہ ہوا تھا کہ جانوروں نے پانی پر قبضہ کرلیا تھا اور وہ چڑیوں کو پانی کے پاس آنے نہیں دیتے تھے۔ اس کے جواب میں چڑیوں نے سارے درختوں کی پتّیاں اور پودے اور پھول پھل نوچ کر برباد کر دیئے تھے۔ اگر چڑیاں پیاس سے پریشان ہو رہی تھیں تو جانوروں کو کھانے اور چگنے کے لئے کچھ نہ ملتا تھا۔ وہ بھی سوکھ کر کانٹا ہو رہے تھے۔

یہ حال تھا اور دونوں دل سے یہی چاہتے تھے کہ اب لڑائی بند ہو جائے۔ مگر بھائی وہ جو ایک ''آن بان'' ہوتی ہے نا! کہ ہونھ! کیا ہم کسی سے کم ہیں۔ بس اسی آن بان کی وجہ سے کوئی زبان سے نہ کہتا کہ لڑائی ختم کرو۔

اس لڑائی میں اب تک چمگادڑ نے حصہ نہیں لیا تھا۔ اور اس کی ایک وجہ تھی۔ چمگادڑ کو دن میں دکھائی نہیں دیتا اور لڑائی رات کو ہوا کرتی تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ چمگادڑ ابھی تک یہ فیصلہ نہ کر سکے تھے کہ وہ چوپایوں میں سے ہیں یا چڑیوں میں سے کیونکہ ان کے پر بھی ہیں اور چار پیر بھی۔

آخر ایک دن ایک بوڑھے چمگادڑ نے کہا کہ ''چار پَیر ہونے کے ناتے ہمیں چوپایوں سے بھی محبت ہے۔ اور پَر ہونے کے ناتے چڑیوں سے بھی ہمدردی ہے۔ چلو کسی کی طرف سے لڑنے کے بدلے ان میں صلح اور میل کرادیں......''

''واہ وا واہ وا!'' مّنی کو مزہ آنے لگا۔ بھائی جان کہانی کہتے رہے ''اچھا تو کچھ چمگادڑ جانوروں کے پاس گئے اور کہا کہ یہ دیکھو ہمارے چار پَیر ہیں۔ ہم بھی چوپائے ہیں، اس لئے ہمیں تم سے ہمدردی ہے، دیکھو، لڑنا اچھا نہیں۔ لڑنے سے جان بھی جاتی ہے اور مال بھی برباد ہوتا ہے۔ اس لئے لڑائی بند کردو۔'' کچھ چمگادڑ چڑیوں کے پاس گئے اور کہا کہ یہ دیکھو ہمارے پر ہیں۔ ہم بھی چڑیا ہی ہیں، اس لئے ہمیں تم سے ہمدردی ہے۔ دیکھو لڑنا اچھا نہیں۔ لڑنے سے جان بھی جاتی ہے اور مال بھی برباد ہوتا ہے۔ اس لئے لڑائی بند کردو۔''

جانور اور چڑیاں سب لڑائی سے پریشان تو ہو ہی چکے تھے دونوں طرف والوں نے کہا ''اچھا تو تم ہی میل کرادو۔'' یہ سنتے ہی چمگادڑ میل کرانے کے لئے تیار ہو گئے۔ ایک بوڑھے چمگادڑ نے لڑائی کے نقصانات سمجھائے۔ اس کی بات سب کی سمجھ میں آ گئی اور پھر جانوراور چڑیوں نے لڑائی بند کرنے کا اعلان کردیا۔ لڑائی بند ہوئی

تو چڑیوں کو پانی ملا اور جانوروں کو سبزی اور پتّے وغیرہ اور چمگادڑ کو یہ بزرگی ملی کہ اسے جانوروں نے اپنی برادری کا مانا اور چڑیوں نے بھی اپنی برادری کا......''

''کیسی مزے کی ہے کہانی!'' ہم سب نے دل ہی دل میں کہا۔

اس کے بعد بھائی جان نے اڑنے والے مینڈک کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ اس کے پیروں میں اُنگلیوں کے درمیان پیراشوٹ کی طرح جو جھلّی نظر آتی ہے یہ اتنی لمبی چوڑی ہوتی ہے کہ مینڈک بھی اتنا نہیں ہوتا۔ مینڈک تو بس زیادہ سے زیادہ چار پانچ انچ کی لمبائی چوڑائی میں ہوتا ہے اور یہ جھلّی ایک فیٹ کی لمبائی چوڑائی میں ہوتی ہے۔ انہیں جھلّیوں کی مدد سے یہ مینڈک اڑتا ہے۔ ایسے مینڈک جاوا اور سماترا کے جزیروں میں بہت پائے جاتے ہیں۔

اچھا اب دیکھو یہ تصویر ۳؎ دیکھنے میں اس کا چہرہ لومڑی سے ملتا ہے، اسی لئے اس کو اڑنے والی لومڑی کہتے ہیں۔ اس کے دونوں طرف گردن سے دُم تک ایک طرح کی کھال سی پڑی ہوتی ہے۔ یہ لومڑی اسی کھال کو اٹھا دیتی ہے۔ کھال میں ہوا بھر جاتی ہے اور لومڑی کی اڑان شروع ہو جاتی ہے۔ سمجھے!''

''جی!'' ہم سب نے کہا اور بھائی جان نے تصویر ۴؎ پر انگلی

رکھ دی اور اور بولے یہ ہے "اُڑن گرگٹ۔"

یہ گرم ملکوں میں ہوتا ہے اور وہاں کے لوگ اسے ڈراکو کہتے ہیں۔ اس کے جسم کے دونوں طرف بہت پتلی جھلّی سمٹی حالت میں رہتی ہے۔ ڈراکو جب اس جھلّی کو کھولتا ہے تو یہ تتلی کے پَر کی طرح پھیل جاتی ہے اسی کی مدد سے ڈراکو اڑ سکتا ہے۔

اچھا اب دیکھئے یہ تصویر ۵ اس کو تم پہچان ہی لوگے یہ مچھلی ہے اور یہ ہیں اس کے پَر۔"

بھائی جان نے پَروں پر انگلی رکھ کر بتایا۔ "یہ مچھلی تیرتی تو ہے ہی لیکن جب کوئی سمندری جانور اس پر حملہ کرتا ہے تو پھر یہ اپنے دونوں پروں کی مدد سے اڑ کر دُور جا گرتی ہے اور حملہ کرنے والا جانور اپنا سا منھ لے کر رہ جاتا ہے۔"

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب یہ مچھلی اڑ کر جست لگاتی ہے تو جہازوں پر آگرتی ہے اور جہاز کے لوگ اسے پکڑ لیتے ہیں۔"

جہاز والے کیسے پکڑ لیتے ہیں، وہ اڑ کر کیوں نہیں جاتی؟" شوکت نے تصویر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ بھائی جان نے بتایا کہ یہ مچھلی پانی کے اندر سے تو اڑ سکتی ہے لیکن پانی کے باہر اس کا زور ختم ہو جاتا ہے پانی کے باہر وہ جست نہیں لگا سکتی۔

اچھا بھائی، اب دیکھو، یہ تصویر ٦ پہچانو تو۔ یہ ہے اڑنے والی گلہری۔ اس کے دو پہلوؤں کی کھال انگلی اور پچھلی ٹانگوں کے درمیان لٹکتی رہتی ہے۔ اسی کھال کی مدد سے گلہری اڑتی ہے، مگر اتنا ہی اڑتی ہے کہ بس ایک درخت سے دوسرے درخت تک پہنچ جائے۔ زیادہ دُور نہیں اڑ سکتی۔ یہ گلہری درخت سے نیچے کبھی نہیں اُترتی، درخت ہی پر رہتی ہے۔''

بھائی جان یہ سب بتا چکے تو ہم سب کی زبان سے نکلا ''کیا خدا کی قدرت ہے، وہ جسے جیسا چاہے بنا دے۔''

اور بھائی جان نے کہا ''بالکل سچ کہتے ہو۔ اب جاؤ کھیلو۔'' ہم سب اِدھر اُدھر جا کر کھیلنے لگے۔

☆☆☆

جنگلی ہاتھیوں کو پکڑنا

''آؤ چلیں، چل کر بھائی جان سے پوچھیں۔'' اور ہم سب ایک ساتھ بھائی جان کے پاس پہنچے۔ سلام کیا اور سامنے ادب سے بیٹھ گئے۔ بھائی جان سمجھ گئے کہ بچے کچھ پوچھنے آئے ہیں خود ہی فرمانے لگے۔

''شاید کچھ پوچھنے آئے ہیں آپ لوگ۔''

''جی ہاں!'' ہم کئی بچّوں نے ایک ساتھ جواب دیا اور پھر جب بھائی جان نے کہا کہ ''پوچھو، کیا پوچھنا ہے؟'' تو میں نے پوچھا ''بھائی جان! یہ جنگلی ہاتھی جنگل سے کس طرح پکڑے جاتے ہیں؟''

''اچھا، یہ پوچھنا ہے۔ لو سنو، جن طریقوں سے اب تک ہاتھی پکڑا جاتا رہا ہے وہ سب طریقے بتاتا ہوں، پرانے زمانے میں یعنی اب سے ہزاروں برس پہلے ہاتھیوں کو پکڑنے کا طریقہ یہ تھا کہ جنگل میں ہاتھی جس راستے پر آیا جایا کرتے تھے، اس راستے میں کسی جگہ ایسا گڈھا بنا دیا جاتا تھا جو اوپر سے دس فیٹ لمبا اور آٹھ فیٹ چوڑا ہوتا تھا اور اس کی گہرائی دس فیٹ ہوتی تھی۔ اتنا لمبا چوڑا اور گہرا گڈھا اس طرح کھودا جاتا تھا کہ اُسے جیسے جیسے گہرا کرتے جاتے تو لمبائی چوڑائی کم کرتے جاتے۔ دس فیٹ تک کھودنے پر وہ گڈھا اس طرح کا  ہو جاتا۔

اس گڈھے کے اوپر کمزور لکڑیاں بچھا کر تھوڑی سی مٹی بچھا دیتے۔ مٹی برابر کر کے اس پر گھاس کے پودے لگا دیتے پھر دور ہٹ کر تاک میں بیٹھ جاتے۔ جب کوئی ہاتھی اس راستے پر نکلتا اور گڈھے پر قدم رکھتا تو بتاؤ پھر کیا ہوتا؟'' بھائی جان نے کہتے کہتے ہم سب سے پوچھا۔

''ہوتا کیا'' کمزور لکڑیاں ٹوٹ جاتیں اور جناب ہاتھی سنگھ اسی میں

جا گرتے ہوں گے۔'' صفّو باجی نے اس طرح یہ بات کہی کہ ہم سب ہنسنے لگے۔ پھر رشاد میاں نے کہا'' ہاتھی ہوتا بھی تو بڑا بھاری ہے۔''

''پھر تو بڑا مزہ آتا ہوگا۔'' یہ شوکت نے کہا۔

''اور بے چارے کے بڑی چوٹ لگتی ہوگی۔'' یہ پپّو بی نے کہا۔

''ہاں ......'' بھائی جان نے پھر کہنا شروع کیا'' ہاں'' کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے پاؤں کے جوڑ اکھڑ جاتے اور ہاتھی بے کار ہو جاتا۔

''یوں کہیۓ بھائی جان! سب کیا دھرا بے کار ہو جاتا پھر وہ ہاتھی کس کام کا ہوتا ہوگا؟'' یہ میں نے کہا۔

''ہاں، ایسا ہی ہوتا ہے۔'' بھائی جان پھر آگے بتانے لگے۔ ''جس ہاتھی کے پَیر سلامت رہتے، اُسے اس گڈھے میں کئی دن بھوکا رکھتے۔ پھر ایک آدمی ہر روز اسے کچھ تھوڑا سا کھانا دے آتا۔ آٹھ دس دن میں ہاتھی اس آدمی کو پہچان لیتا اور اُسے للچائی نظروں سے دیکھتا اس طرح تھوڑے ہی دنوں میں وہ ہاتھی اُس سے ہِل جاتا۔

جب ہاتھی اس سے ہِل جاتا تو گڈھے کو چوڑا کر کے کھود دیتے اور ہاتھی کو باہر نکال لیتے۔ باہر کچھ اور سدھے ہوئے اور پالے ہوئے ہاتھی کھڑے ہوتے۔ جیسے ہی وہ ہاتھی گڈھے سے باہر نکلتا، یہ سارے

سدھے ہوئے ہاتھی اسے اپنے ساتھ لیتے اور ساتھ لئے لئے ہاتھی خانے چلے جاتے۔ یہاں وہی آدمی جو اسے روز کھانا کھلایا کرتا تھا اور جس سے ہاتھی ہل جاتا تھا، وہ اُسے سدھا لیتا۔''

''واہ بھئی وا، یہ خوب رہی!'' صفّو باجی نے کہا۔

''انسان سے سب ہارے۔'' شوکت نے کہا۔

''بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو سوجھ بوجھ اور عقل دی ہے۔ اسی کی بدولت انسان بڑے سے بڑے جانور کو قابو میں کر لیتا ہے۔'' بھائی جان نے کہا۔ اس پر میں نے وہ بات کہی جو ایک دن ماسٹر صاحب نے بتائی تھی کہ ''اسی سمجھ کی بدولت تو انسان اشرف المخلوق ہے۔''

''اشرف المخلوق کے کیا معنیٰ ہیں؟'' رشاد میاں نے پوچھا میں نے بتایا کہ اللہ میاں نے دنیا میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے، ان سب سے بڑھ کر۔''

یہ سب اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے انسان پر۔'' بھائی جان نے کہا۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ ہاتھیوں کو اس طرح پکڑنے میں وہ جو عیب تھا کہ اکثر ہاتھیوں کے پاؤں جوڑ سے اکھڑ جاتے تھے اور ایسے ہاتھی بے کار ہو جاتے تھے تو پھر انسان نے سوچا کہ کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہئے کہ ہاتھی پکڑ لیا جائے اور اس کے پاؤں بھی نہ ٹوٹیں۔

اب دیکھئے، انسان کی سوجھ بوجھ۔ اس نے دیکھا کہ ہاتھی املی

بڑے شوق سے کھاتا ہے تو انسان نے کیا یہ کہ ڈھیروں املیاں لیں۔ ان کے بیج نکال ڈالے، پھر گودے میں کوئی نشیلی چیز ملا دی۔ اتنی کہ ہاتھی کھائے تو بے ہوش ہو جائے۔ بس نشیلی چیز ملا کر بڑے بڑے لڈو بنا لئے۔ اب یہ لڈّو ہاتھیوں کے راستے میں ڈال دیئے۔ جس ہاتھی نے یہ لڈّو کھا لئے بس چت ہو گیا۔ لوگوں نے اُسے موٹے موٹے رسّوں میں جکڑ لیا اور پھر دھیرے دھیرے کھلا پلا کر ہلا لیا اور پھر سدھا لیا۔''

''لیکن سنئے تو بھائی جان! ہاتھی کو پھر ہوش میں کیسے لاتے ہیں؟ صفّو باجی نے پوچھا۔ بھائی جان نے بتایا کہ کچھ گھنٹوں میں نشہ آپ ہی اُتر جاتا ہے اور اگر نہیں اترتا تو املی بھگو کر اس کا کھٹّا پانی ہاتھی کے کان اور اس کی سونڈ میں ڈال دیتے ہیں۔ کھٹّی چیز سے نشہ جلد اتر جاتا ہے، بس اس ترکیب سے ہاتھی کو ہوش میں لے آتے ہیں۔''

''کیا خوب سمجھ دی ہے اللہ نے انسان کو۔'' میری زبان سے نکلا۔ بھائی جان نے میری بات سنی تو لیکن وہ کہتے رہے۔

''اس طرح کچھ اور طریقے تھے جن سے ہاتھی پکڑے جاتے تھے لیکن سب سے زیادہ دل چسپ وہ طریقہ ہے جس کا نام ''کھیدا'' ہے۔''

''کھیدا؟'' ہم میں سے کئی بچّوں کی زبان سے اس طرح نکلا جیسے ہم اس کے معنیٰ بھائی جان سے پوچھ رہے ہوں۔ اور بات بھی

یہی تھی۔ یہ کھائی قریب قریب پچاس بیگہ زمین میں بنائی جاتی ہے۔ کچھ جگہ چھوڑ کر اس طرح _/ کی کھائی بنالی جاتی ہے...... یہ کھائی قریب قریب دس فیٹ گہری، اوپر سے اتنی ہی چوڑی اور نیچے صرف دو فیٹ چوڑی ہوتی ہے۔ اس کھائی کے برابر برابر موٹے لٹّھے خوب ٹھونس ٹھونس کر گاڑ دیئے جاتے ہیں۔ پھر لٹّھوں کو موٹے موٹے رسّوں سے اچھی طرح باندھ دیا جاتا ہے۔ اس طرح لٹّھوں اور رسّوں کی جالی دار دیوار سی بن جاتی ہے۔ اس کی اونچائی زمین سے دس فیٹ ہوتی ہے۔ سمجھے کیوں؟'' بھائی جان اچانک ہم سے پوچھ بیٹھے، پھر خود ہی بتانے لگے۔

''یہ اس لئے کہ جب اس کھائی میں ہاتھی پھنسے تو نکل نہ سکے اس گھیرے میں جو جگہ ہوتی ہے۔ اس میں مضبوط لٹّھوں کا ایک دروازہ بھی لگایا جاتا ہے۔ اسے ایسی حکمت سے بناتے ہیں کہ رسّوں کے ذریعہ آسانی کے ساتھ اٹھایا اور گرایا جاسکے۔ لٹّھوں کی دیواروں کو ہری بھری شاخوں اور پتّوں سے چھپا دیا جاتا ہے۔ بالکل ایسا لگتا ہے جیسے ایک میدان ہرے بھرے جنگل کے اندر ہے۔

دروازے کے دونوں طرف کے کھمبوں کے باہر دور تک لٹّھوں ہی کی دیوار اور دیواریں بنائی جاتی ہیں۔ انھیں بھی ہری پتّیوں اور

شاخوں سے چھپا دیا جاتا ہے۔ اسے کھیدا کہتے ہیں اس کھیدے (کھائی) میں ہاتھیوں کو اس طرح لاتے ہیں کہ ہزاروں آدمی جنگل بھر میں پھیل جاتے ہیں اور ہاتھیوں کو گھیرتے ہیں۔ اس طرح مل کر ڈھول پیٹتے، بگل بجاتے اور بندوقیں داغتے ہیں کہ جنگلی ہاتھی دوسری طرف راستہ نہ پا کر کھیدا کی طرف آنے لگتے ہیں۔ ہاتھیوں کو پتہ بھی نہیں چلتا اور دھیرے دھیرے ہٹتے ہوئے کھیدا میں چلے جاتے ہیں۔ وہاں انھیں کھلا میدان ملتا ہے۔ وہ اس میدان سے جنگل میں جانے کی کوشش کرتے لیکن لٹّھوں اور رسّیوں سے بنی ہوئی دیوار روک بن جاتی ہے۔ اب وہ پیچھے لوٹتے ہیں کہ جدھر سے آئے ہیں، اُدھر سے ہی نکل جائیں لیکن اب وہ دروازہ بند کر دیا جاتا ہے یہاں ہاتھیوں کو کئی دن بھوکا رکھا جاتا ہے۔

اب دیکھو، کھیدا کا یہ دوسرا دروازہ ہے جو ایک چھوٹی سی جگہ کی طرف کھلتا ہے۔ تین دن کے بعد یہ دوسرا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ تو ایک ایک ہاتھی اس طرف آنے لگتا ہے۔ جو ہاتھی ادھر آتا ہے وہ اس تیسرے دروازے کے پاس سدھائے ہوئے اپنے ہاتھی کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ اُسے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور ہاتھی خانے لے جاتے ہیں اور وہاں اسی وقت سے سدھانے کا کام شروع ہو جاتا

ہے۔ اس طرح جتنے ہاتھی کھیدا میں آ جاتے ہیں اُن سب کو ہاتھی خانے لایا جاتا ہے۔

ہاتھی کو سدھانے والے اور پھر اپنے اشاروں پر چلانے والے کو مہاوت کہتے ہیں۔ مہاوت انھیں کھانا کھلا کر دوست بنا لیتا ہے یا یہ سمجھئے کہ ہاتھی کھا پی کر مہاوت سے ہل جاتے ہیں۔ دھیرے دھیرے مہاوت سے ایسی دوستی ہو جاتی ہے کہ اگر مہاوت کے علاوہ کوئی اور ہوتا ہے تو ہاتھی دوسرے کے ہاتھ سے کھانا نہیں کھاتے۔''

''جی ہاں! بھائی جان! آپ نے ایک دن ایسی کہانی بھی تو سنائی تھی۔ کسی راجہ کے یہاں ہاتھی تھا۔ راجہ نے مہاوت کو نکال دیا، دوسرا مہاوت رکھا تو دوسرے مہاوت کو ہاتھی نے مار ڈالا اور اس وقت تک بھوکا رہا جب تک اس کا اصلی مہاوت نہ آیا۔''

''اور بھائی جان سنئے تو، یہ جو شوکت بھائی نے کہانی یاد دلائی تو مجھے وہ کہانی بھی یاد آ گئی۔ جب ایک ہاتھی کا مہاوت مر گیا تو ہاتھی بے قابو ہو گیا پھر جب اس ہاتھی نے اپنے مہاوت کے تین سال کے بچّے کو دیکھا تو سونڈ سے پکڑ کر اپنی گردن پر بٹھا لیا اور اس طرح یہ مان لیا کہ یہ بچّہ میرا مہاوت ہے۔''

''ہاں رشاد میاں! یہ سب احسان کے بدلے ہوتا ہے۔ جانور

بھی احسان مانتے ہیں۔ پھر ہاتھی بڑا سمجھ دار ہوتا ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کتنے احسان کئے ہیں۔ ایسے ایسے ہاتھیوں میں سدھ جانے کی بات پیدا کر دی ہے۔ انھیں ہم سدھا لیتے ہیں۔ لیکن جن جانوروں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات نہیں رکھی ہے وہ نہیں سدھائے جا سکتے۔''

''وہ جانور کون سے ہیں؟'' ہم سب نے بھائی جان سے پوچھا۔

بھائی جان نے بتایا کہ جیسے شیر ہے، بھیڑیا ہے۔ ان میں اللہ نے یہ بات ہی نہیں رکھی کہ وہ سدھائے جا سکیں تو یہ نہیں سدھتے۔ لیکن بلّی کو دیکھو، وہ بھی تو آخر شیر کی خالہ مشہور ہے۔ لیکن اس میں یہ بات ہے کہ وہ انسانوں سے ہل مل جاتی ہے۔ اسی طرح بھیڑیئے کی شکل کی طرح کتّا بھی ہوتا ہے۔ اس میں اللہ نے سدھ جانے والی بات رکھی ہے۔ کتّا بھی ہمارا دوست ہو جاتا ہے اور یہ سارے سدھ جانے والے جانور ہمارے بڑے کام آتے ہیں۔ تو پھر ہمیں چاہیئے کہ ہم اس خدا کا شکر ادا کر دیں جس نے ان جانوروں کو ہمارے قابو میں کر دیا۔'' ''سچ ہے بھائی جان ہمیں یہی چاہیئے اور ہم ایسا ہی کریں گے۔'' یہ کہہ کر ہم سب بھائی جان کے پاس سے چلے آئے۔

☆☆☆